نظرات

فروری کے برہان میں جو نظرات لکھے گئے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ڈاکٹر خورشید احمد فارق کے متعلقہ مضمون کی زبان اور اندازِ بیان کا تعلق ہے وہ بے شبہ قابلِ اعتراض ہے اور بعض بعض جگہ اس کے ڈانڈے سوءِ ادب سے جا ملتے ہیں اس سلسلہ میں ایڈیٹر برہان کو ندامت کے ساتھ اپنے اس قصور کا اعتراف ہے۔ کہ مضمون نظرِ ثانی تو درکنار اس کے علم کے بغیر جوں کا توں شائع ہو گیا۔ لیکن جہاں تک مضمون میں درج واقعات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی ایک واقعہ کو سطحی اور سرسری طور پر دیکھتا ہے اور اس بنا پر واقعہ کے مندرجات کو سیرت نبوی کی پاکیزگی کے خلاف تصور کر کے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں منقصت یا گستاخی قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل ایک اور شخص ہو سکتا ہے جس کے سامنے واقعہ کا پورا تاریخی پس منظر اور ماحول ہے۔ اور اس کو یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کا یہ عمل کن چیزوں پر مبنی ہے اس بنا پر اس کو یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں جو ایکشن لیا ہے وہ بالکل حق بجانب اور سرتاپا عدل و انصاف اور حقانیت پر مبنی ہے۔ اس بنا پر اس کے نزدیک یہ واقعہ سیرت نبوی کی پاکیزگی پر قطعاً اثر انداز نہیں ہے بلکہ اس سے حضور کی دور اندیشی، تدبر اور معاملہ فہمی کا ثبوت ملتا ہے۔

قدیم مورخین سیرت مثلاً ابن سعد، ابن ہشام، واقدی، طبری اور ابن اثیر وغیرہم کے متعلق یہ کہدینا صحیح نہیں ہے کہ یہ سب ناقابل اعتبار و اعتماد ہیں کیونکہ سیرت کی روایات کا زیادہ تر دارو مدار انہیں حضرات پر ہے اور ہمارے علمائے کرام و مصنفین ان کی کتابوں کے سہارے سیرت نگاری کرتے رہے ہیں۔ ان حضرات کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کسی واقعہ کو یہ جانتے ہوئے اپنی کتاب میں درج کیا ہو کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کوئی پہلو مجروح ہوتا ہے۔

انہوں نے اگر اس قسم کا کوئی واقعہ درج کیا ہے تو یقیناً ان کے ذہن میں اس کی کوئی ایسی تاویل و توجیہہ موجود ہے جس کے باعث سیرت نبوی بالکل مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ تحقیق و تنقید کا دروازہ کھلا ہوا ہے ایک محقق کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان مورخین کی کسی روایت کو دلائل و براہین کے ساتھ رد کر دے اور اسے ناقابلِ قبول قرار دے۔ چنانچہ ہمارے ملک کے بلند پایہ سیرت نگار مورخوں، مصنفوں مثلاً مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری اور مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوری کا اپنی تصانیف میں یہی رویہ اور طریقہ رہا ہے۔ یہ حضرات قدیم مورخین سیرت کی روایات اپنے ہاں درج بھی کرتے ہیں۔ اور جو روایات ان کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہیں ان پر بحث و گفتگو کر کے انہیں رد بھی کر دیتے ہیں۔

راقم الحروف نے فروری کے نظرات میں لکھا تھا کہ فارق صاحب کے مضمون کے ختم ہو جانے کے بعد اس کا ارادہ اس پورے مضمون پر تبصرہ لکھنے کا تھا۔ اس تبصرہ کا مقصد یہی تھا کہ فارق صاحب کے مضمون میں جو تشویش انگیز واقعات درج

ہیں ان کا تجزیہ و تحلیل کرکے یہ بتایا جائے کہ یہ واقعہ درست ہے کہ نہیں۔ اگر درست ہے تو اس کا تاریخی پس منظر اور ماحول کیا ہے۔؟ جس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مجروح نہیں ہوتی بلکہ اس کے برخلاف آپ کے کردار کی بلندی اور عزم و تدبر کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون پر ہنگامہ شروع ہوگیا اور اس تبصرہ کے لکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

بہرحال اس وقت جبکہ جذبات مشتعل ہیں علمی بحث و گفتگو کا کوئی موقعہ نہیں ہے اور میں بلا کسی شرط کے اپنی ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتا ہوں اور اپنے ان تمام بھائیوں سے معافی کا خواستگار ہوں جن کو اس سے دکھ پہنچا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی یہ بیزاری اسی جذبۂ عشق و محبت کی وجہ سے ہے جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اور یقیناً یہ جذبہ ہر مسلمان کے لئے سرمایۂ افتخار ہے اب مضمون کی اشاعت روک دی گئی ہے۔ نومبر کی قسط اس کی آخری قسط سمجھنا چاہئے۔

اس شمارہ میں جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ کا ایک خط بھی شائع ہو رہا ہے۔ اس خط کی اشاعت کا مقصد اپنی طرف سے کوئی دفاع پیش کرنا نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ تنقید کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے۔ جو لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا پر مبنی ہے۔

چنانچہ راقم الحروف مولانا کے اس خط کے جواب میں مولانا کا دلی شکریہ ادا کرچکا ہے۔ مولانا کا یہ مکتوب گرامی تنہا نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح کے سنجیدہ اور متوازن خطوط اور بھی متعدد ارباب علم کی طرف سے موصول ہوتے رہے ہیں۔ اور ان کے شکریہ کے ساتھ ان سب حضرات کو فرداً فرداً جواب لکھتا رہا ہے۔ اس شمارہ میں مولانا مفتی